تبلیغی مرکز
حضرت نظام الدین دھلی
کچھ حقائق کچھ واقعات

حصہ اوّل

مؤلفہ

(چودھری) امانت اللہ

رکن مجلس عاملہ مدرسہ کاشف العلوم

بنگلہ والی مسجد، بستی حضرت نظام الدین، دہلی

باسمہ تعالیٰ

ہم سے پوچھے کوئی افسانۂ گل
ہم نے جھیلے ہیں خزاں کے صدمے

حامداً ومصلیاً ومسلماً

بنگلہ والی مسجد بستی حضرت نظام الدینؒ دہلی میں واقع تبلیغی مرکز جو در حقیقت دار الاسلام کا جیتا جاگتا نمونہ بنا تھا جس کی دعوت وتبلیغ کے بے مثال نظام نے دنیا کے کونہ کونہ میں بسنے والی امت کے ہر طبقہ میں اپنے مثبت اثرات قایم کئے تھے اور جس کے ذریعہ امت کا درد رکھنے والے دلوں میں ایک امید جاگی تھی کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ بے نفسی، خدا ترسی، ایثار و ہمدردی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی لگن کے اس ماحول میں جس کسی نے بھی کبھی تھوڑا وقت گذارا ہوگا اس کے وہم و گمان مین بھی کبھی یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ یہاں کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے جہاں روز روز کے جھگڑے، بدگمانیاں، سازشیں، مار پیٹ اور کھلی داداگیری کا ایسا سلسلہ قایم ہوگا کہ اس کے وہ مخلص کارکن اور اکابرین جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس کام کے لئے وقف کردی تھی، وہ اس مرکز کو "الوداع" کہنے پر مجبور ہو گئے۔

جو لوگ یہاں کے حالات سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے) اپنے وصال سے قبل خلفاء راشدین کے اسوہ حسنہ کو اپناتے ہوئے اپنے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن صاحبؒ کو امیر بنانے کے بجائے ایک عالمی شوریٰ قایم فرمائی جس میں تینوں ملکوں کے دس ذمہ دار شامل تھے۔ کام کی وسعت اور اس میں شامل ہونے والے اکثر ملکوں کے رہنے والے مختلف طبقوں اور مختلف مزاج اور مختلف مسلکوں کے افراد کے پیش نظر یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آزمودہ حضرات کی ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے جو باہمی مشاورت سے کام کی نگرانی اور رہنمائی کرے حالانکہ مولانا زبیر الحسن صاحبؒ جید حافظ، مستند عالم، حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مجاز اور اپنے والد صاحبؒ سے اجازت پانے کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کے ہر پہلو سے خوب واقف تھے، کیونکہ تقریباً ۲۵ سال تک مسلسل سفر وحضر میں اپنے والد صاحب کے شریک کار رہے تھے۔

جون ۱۹۹۵ء میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے انتقال کے بعد اس عالمی شوریٰ نے مرکز نظام الدین کے لئے پانچ افراد (مولانا اظہار الحسن صاحب، مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری، میاں جی محراب صاحب، مولانا زبیر الحسن صاحب اور صاحبزادہ محمد سعد سلمہ) پر مشتمل ایک شوریٰ قایم کی جس کا ہر رکن باری باری فیصل بنتا رہا۔ اس فیصلہ پر مولانا زبیر الحسن کے

حامیوں نے اپنا شدید ردعمل بھی ظاہر کیا لیکن مولانا موصوف نے امیر نہ بنائے جانے پر نہ کوئی شکایت کی نہ کسی ناراضگی کا اظہار کیا۔ بڑوں نے شوریٰ کا جو نظام طے کر دیا اسی کے مطابق وہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس پانچ رکنی شوریٰ میں صاحبزادہ محمد سعد سلمہٗ (عمر تقریباً تیس سال) کو بھی شامل کرلیا گیا جبکہ انہوں نے نہ کوئی باقاعدہ علمی سند حاصل کی، نہ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، نہ کبھی جماعت میں وقت لگایا، نہ ذمہ دار بننے کے بعد جماعت میں وقت لگانا ضروری سمجھا جبکہ یہ مسلم امر ہے کہ اس کام کی معرفت اللہ کے راستہ میں نکل کر اصولوں کے مطابق وقت لگائے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود شوریٰ میں شامل ہونے کے بعد انہوں نے اس بات کا مطالبہ شروع کر دیا کہ اجتماعات اور دوسرے اہم موقعوں پر دعا کرانے اور مجمع سے مصافحہ کرنے کا ان کو بھی موقع دیا جائے۔

حالانکہ یہ مطالبہ کام کے مزاج سے قطعاً میل نہیں کھاتا تھا کیونکہ یہاں تو ایثار اور کسر نفسی کی تعلیم دی جاتی ہے اور دعا تو بذاتِ خود ایک ایسا عمل ہے جس میں مانگنے والے کے اندر عجز وانکساری کا غلبہ ہونا ایک ضروری امر ہے۔ مگر ذمہ داروں کے سامنے نہ جانے کون سی مجبوریاں یا مصلحتیں تھیں جس کی بناء پر یہ خطرناک مطالبہ مان لیا گیا اور دعا و مصافحہ کے عمل کو مولانا زبیر الحسن صاحب اور صاحبزادے سلمہٗ کے درمیان نصفا نصف بانٹ دیا گیا۔ آگے چل کر یہی مسئلہ آپسی رقابت کی بنیاد بنا۔

اگست ۱۹۹۶ء میں مولانا اظہار الحسن صاحب کا انتقال ہو گیا وہ سب کے بڑے بھی تھے، اور پانچ رکنی شوریٰ کے اہم ترین رکن، مسجد کے امام، مدرسہ کے شیخ الحدیث اور مرکز کے ناظم تھے۔ ان کے انتقال پر صاحب زادہ سلمہٗ کو مرکز کا ناظم بنایا گیا تو انہوں نے جملہ امور کو اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ ساتھ مرکز کا خزانہ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا جبکہ اس سے پہلے خزانچی ناظم کے علاوہ کوئی دوسرے صاحب ہوا کرتے تھے۔ غضب در غضب یہ ہوا کہ مرکز سے متعلق آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب بھی اب نہیں بنتا۔ یہاں تک کہ مجلس عاملہ کے سامنے بھی اس کی تفصیلات نہیں آتیں۔

اس کے بعد صاحبزادہ سلمہٗ نے یہ کہہ کر کہ ان کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی کتابیں دیکھنی ہیں حضرات کے قدیم حجرہ کی ایک چابی لے لی کیونکہ یہ کمرہ اکثر بند رہتا تھا صرف صبح کو مشورہ کے لئے کھلتا تھا۔ اس حجرہ کی دو چھتی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا کتب خانہ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہاں نشست و برخاست شروع کر دی اور آخر میں اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ حالانکہ ان کو ایک کمرہ نئی بلڈنگ میں پہلے سے ملا ہوا تھا۔ یہی وہ حجرہ ہے جس کو حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی حیات میں بنگلہ والی مسجد کی توسیع کے وقت مسجد میں شامل کرنے کا فیصلہ ہوا تھا لیکن صاحبزادہ سلمہٗ نے کچھ میواتیوں اور کچھ بستی نظام الدین کے نوجوانوں کے ذریعہ مرکز میں ہنگامہ کرا کے اس فیصلہ کو ملتوی کرا دیا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد مرکز کے حضرات کے رہائشی مکان کے اس حصہ پر جو مسجد اور مذکورہ بالا حجرہ سے ملحق ہے اور جس میں مولانا زبیر الحسن صاحب اور ان کے اہل وعیال ایک لمبے عرصہ سے رہتے تھے جبکہ صاحبزادہ سلمہٗ اور ان کے اہل وعیال اسی مکان کے شمالی حصہ میں رہتے تھے صاحبزادہ سلمہٗ نے اپنا دعویٰ ٹھوک دیا کہ وہ حصہ ان کو ملنا چاہئے اور اس قضیہ کو پڑوس کے ذمہ

داروں کے سامنے لے جایا گیا، ان حضرات نے اس معاملہ کو خاندان کے بڑوں کے حوالہ کر دیا اور نتیجتاً بغیر کسی جواز کے مولانا زبیر الحسن صاحب کو وہ حصہ خالی کرنا پڑا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے جون ۱۹۹۵ء میں ہوئے وصال کے چودہ (۱۴) ماہ بعد حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب (اگست ۱۹۹۶ء) اور ان کے نو (۹) ماہ بعد حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری (مئی ۱۹۹۷ء) اور ان کے سوا سال بعد میاں جی محراب صاحب (اگست ۱۹۹۸ء) اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے دائرہ میں منفرد حیثیت کے حامل تھے اور دعوت و تبلیغ کے کام کے تعلق سے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو آخری سانس تک نبھاتے رہے۔ (اللہ تعالیٰ ہماری اور ساری امت کی طرف سے ان کو اپنی شایان شان جزاء خیر عطا فرمائے، آمین) غور طلب بات یہ ہے کہ مرکز کی پانچ رکنی شوریٰ تین سال کے مختصر عرصہ میں ہی دو رکنی ہو کر رہ گئی لیکن اس کی خالی جگہوں کو پر نہیں کیا گیا بلکہ مولانا زبیر الحسن صاحب کے توجہ دلانے پر صاحبزادہ سلمہٗ نے فرمایا کہ مجمع تمہاری اور میری وجہ سے آتا ہے کیا ضرورت ہے کسی کو بلا وجہ اہمیت دینے کی۔ اس پر مولانا زبیر الحسن نے خاموشی اختیار کر لی کیونکہ اس عرصہ میں بہت سی ایسی باتیں ہوئی تھیں (جن میں سے بعض کا ذکر اوپر آ چکا ہے) جن کی وجہ سے وہ کوئی ٹکراؤ نہیں چاہتے تھے تاکہ یہ عالی کام کسی انتشار کا شکار نہ ہو۔

شوریٰ کی تکمیل نہ ہونے کے عمل سے ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ مرکز میں مقیم صف اول کے ذمہ داروں کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ اس عالی کام کے اصل وارث خاندان کاندھلہ کے افراد ہی ہیں۔ باقی حضرات کی حیثیت صرف معاونین کی ہے۔ اس لئے وہ اپنی حد سے تجاوز نہ کریں۔ ساتھ ہی صاحبزادہ سلمہٗ نے مرکز کے معاملات پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط کرنے کے لئے کچھ نہایت نامناسب حربے استعمال کرنے شروع کئے مثلاً:

(الف) موصوف نے اٹھتے بیٹھتے یہ کہنا شروع کیا کہ پچھلے تیس سال میں (یعنی حضرت مولانا انعام الحسن کے دور میں) دعوت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور یہ مرکز ایک خانقاہ بن کر رہ گیا۔ بعض خیر خواہوں نے موصوف کو سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ اپنے سے پہلوں کے کام میں نقص نکالنا سیاسی لوگوں کا طریقہ ہے اور دینداروں کا طریقہ اپنے سے پہلوں کی کوششوں کو سراہنا اور ان کا احسان مند ہونا ہے لیکن موصوف نے یہ باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

(ب) جہاں اکرام مسلم کا سبق دیا جاتا تھا اب وہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے سے بڑی عمر اور بڑے مرتبہ والوں کو بھی برسر عام موصوف کی ڈانٹ پھٹکار کر سننا روز کا معمول بن گیا۔

(ج) اپنی ہاں میں ہاں ملانے والوں کو ذمہ داریاں سونپنا، مشورہ میں شامل کرنا، بیانات اور سفر کا موقعہ دینا اس کے برخلاف ان کی ایجاد کردہ باتوں سے اختلاف کرنے والوں کو نظر انداز ہی نہیں بلکہ ذلیل کرنا انہوں نے برملا اختیار کر لیا۔ جس پر انگلی اٹھانے کے نوبت نہیں آئی۔

اس طرح میدان ہموار کر لینے کے بعد اصل کام اصلاح اور تجدید کا نماز سے شروع کیا گیا۔ حالانکہ اسی مسجد اور اس کے مصلے پر ان کے پردادا، دادا، والد نیز نانا نے جس طرح نماز پڑھی اور پڑھائی تھی اس میں نمایاں تبدیلی یہ کی گئی کہ قومہ اور جلسہ میں وہ مسنون دعاء پڑھنے لگے جو حنفیہ کے نزدیک فرضوں میں نہیں، بلکہ نفلوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اس تبدیلی سے پوری جماعت متاثر ہوتی رہی مگر کسی نے اُف نہیں کی۔ ایک صاحب نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ میں مجتہد ہوں، سنت کو اختیار کرتا ہوں۔

اس کے بعد دعوت وتبلیغ کے کام کا پورا نقشہ ہی بدل دیا گیا۔ ''دعوت تعلیم استقبال'' کے ذریعہ مقامی محنت سکڑ کر اس پر آگئی کہ مسجد کے اطراف میں جو فارغ لوگ ملیں انہیں گھیر کر مسجد میں لانا اور انہیں دعوت تعلیم میں بٹھانا۔ اس ایک عمل کو مسجد کی آبادی کا ذریعہ بتایا گیا۔ جس کی وجہ سے نہ صرف کام کرنے والوں میں ذاتی معمولات کا اہتمام ختم ہو گیا بلکہ ڈھائی گھنٹے والی ترتیب میں لوگوں کی سہولت کا خیال رکھتے ہوئے ان کے گھروں اور کام کرنے کی جگہوں پر جاکر جو دنیا اور آخرت میں دین پر چلنے کے منافع اور نہ چلنے پر اس کے نقصان نیز اللہ کے راستہ میں نکلنے کی ضرورت کو سمجھایا جاتا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔

اسی طرح فضائل کی کتابوں کی تعلیم کی جگہ منتخب حدیث کو اہمیت دی جانے لگی جبکہ کسی شوریٰ نے کبھی بھی اس کو جماعت کے طے شدہ نصاب میں شامل نہیں کیا۔ مزید یہ کہ اس کتاب کو حضرت مولانا محمد یوسف کا انتخاب بتایا جاتا ہے جبکہ وہ قلمی مسودہ جو حضرت والا نے تیار کیا تھا آج تک کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ ایسا کوئی باقاعدہ انتخاب مولانا یوسف صاحب کا ہے ہی نہیں، نہ انہوں نے اس کا ذکر کبھی کسی سے کیا۔ تبلیغی حلقہ میں متعارف اور مشہور ہونے کا صاحبزادہ سلمہٗ نے اس کو ایک ذریعہ بنایا اور خود کو اس کتاب کا مؤلف ظاہر کیا جب کہ ''منتخب حدیث'' کی تیاری پڑوسی ملک کے عالموں کی ایک جماعت نے کی۔ اور اس ''خیر'' کے کام کو صاحبزادہ سلمہٗ نے اس رازداری کے ساتھ کرایا کہ وہاں کے ذمہ داروں کو بھی خبر نہ ہونے دی۔ اسی لئے وہ حضرات آج تک اس کتاب کو جماعت کے تعلیمی نصاب میں شامل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہمارے اپنے علاقوں کے جو ذمہ دار اس کی حقیقت سے واقف ہیں ان علاقوں میں بھی یہ کتاب جماعت کی تعلیم میں نہیں پڑھی جاتی۔

نیز جماعت کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا اپنی بات چھ نمبروں کے دائرہ میں محدود رہ کر کرے۔ حالات حاضرہ، مسلکی اختلافات، فقہی مسائل، تقابل، تنقیص، تردید کی باتوں کو اپنے بیان میں نہ لائے۔ جن حضرات نے دینی تعلیم باقاعدہ حاصل نہیں کی وہ اپنے بیانوں میں قرآن وحدیث کی تشریح کرنے کے مجاز نہیں صرف مفہوم بیان کر دیں اور علماء حضرات بھی قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کرتے وقت اسلاف کے ذریعہ کی گئی تفسیر وتشریح کے پابند رہیں۔ مگر صاحبزادہ سلمہٗ نے ان سنہری اصولوں کو ہوا میں اُڑا دیا اور ایسی باتیں کہی جانے لگیں جو بعض انبیاء کرام اور بعض صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کے مترادف ہیں۔ ان سے سننے والوں نے جن میں اکثریت علم سے عاری لوگوں کی ہے ان باتوں کو علاقوں میں کہنا شروع کیا تو مسجدوں کے ائمہ اور دوسرے اہل علم حضرات اس مشکل میں مبتلا ہو گئے کہ اگر غلط باتوں پر ٹوکیں تو تبلیغ کے مخالف کہلا کر بہ طرح کی طعن تشنیع سنیں اور نہ ٹوکتے پر نہی عن المنکر کے گنہگار بنیں۔

اس سے بھی بڑی جسارت صاحبزادہ سلمہٗ نے بیعت کے تعلق سے کی۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ صاحب کے انتقال بعد شوریٰ نے طے کیا کہ بنگلہ والی مسجد میں سردست بیعت موقوف رہے گی۔ شوریٰ کے اس فیصلہ میں صاحبزادہ سلمہٗ پیش پیش تھے کیونکہ اس وقت مرکز میں صرف مولانا زبیر الحسن صاحب ہی کی ذات تھی جن سے لوگوں کے بیعت ہونے کا امکان تھا کیونکہ وہ حضرت شیخ اور حضرت جی رحمہم اللہ کے مجاز تھے اور ان کے یہاں روزانہ ذکر کا حلقہ بھی ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں صاحبزادہ سلمہٗ کام کرنے والوں کا کسی شیخ سے بیعت ہونا غیر ضروری ہی نہیں نقصان دہ بتاتے تھے۔ لیکن جیسے ہی مولانا زبیر الحسن صاحب کا انتقال ہوا صاحبزادہ سلمہٗ نے سفر کے دوران بیعت کرنا شروع کردیا اور جب ان کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ صرف بیعت ہی کے ذریعے لوگوں کو اپنی اطاعت کا پابند بنایا جاسکتا ہے تو موصوف نے مرکز میں اس دھڑلے سے روزانہ بعد مغرب لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا کہ ایک بھیڑ ان کے حجرہ کے باہر جمع ہونے لگی کیونکہ دن بھر کچھ لوگ اسی کام پر لگے رہتے ہیں کہ آنے والوں کو بیعت کے لئے تیار کریں۔ جب تک بیعت کا سلسلہ پورا ہوتا ہے بنگلہ والی مسجد میں مختلف زبانوں کے حلقے ٹھنڈے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی موصوف نے اپنے نرالے اجتہاد کا اظہار کیا ہے وہ بیعت کرنے والوں سے یہ عہد لیتے ہیں:

''بیعت کی میں نے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سعد کے واسطے سے''

غور کیجئے یہاں موصوف کو ان کے دادا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یاد نہیں رہے جن کا اکثر حوالہ وہ اپنے بیانوں میں اس طرح دیتے ہیں جیسے حضرت والا کی باتیں انہوں نے خود سنی ہیں۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ جو کسی بزرگ کا اجازت یافتہ نہ ہو، اس کو ان بزرگ کا نام لے کر بیعت کرانا سلوک کی لائن سے بہت بڑی خیانت ہے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ موصوف کو نہ بڑے حضرتؒ کا زمانہ ملا نہ بڑے حضرتؒ کے کسی خلیفہ سے بیعت و اجازت حاصل ہوئی۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ دعا اور مصافحہ میں باہمی شراکت کا سلسلہ صاحبزادہ سلمہٗ کے مطالبہ پر جاری ہوا تھا جو برابر کشمکش کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ مارچ ۲۰۱۴ء میں مولانا زبیر الحسن صاحب کے انتقال کے بعد مرحوم کے حامیوں کا مطالبہ تھا کہ ان کی جگہ ان کے بیٹے مولانا زہیر الحسن کو دعا اور مصافحہ میں پرانے دستور کے مطابق شریک کیا جائے۔ لیکن صاحبزادہ سلمہٗ کو یہ بات منظور نہیں تھی اس لئے دعا اور مصافحہ پر ہلکی پھلکی کشمکش چلتی رہی۔ اس کا بھرپور مظاہرہ دسمبر ۲۰۱۴ء کے بھوپال کے اجتماع کے اختتام پر ہوا جب مولانا زہیر الحسن صاحب کے ساتھیوں نے ان کو مصافحہ کے لئے لاکر اسٹیج پر بٹھا دیا تو صاحبزادہ سلمہٗ ناراض ہوکر اسٹیج چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے حمایتیوں کو کچھ ایسی ہدایات دیں کہ پورے میوات میں ہلچل مچ گئی۔ ایک درجن سے زیادہ مقامات پر برادری کی پنچایتیں ہوئیں جن میں ہزاروں لوگ جمع ہوئے۔ علاقہ کے علماء اور چودھریوں کے جوشیلے بیانات ہوئے۔ مثلاً:

ہمارے امیر مولانا محمد سعد ہیں اور ان کے بعد بھی ہمارا امیر ان کی اولاد میں سے ہوگا چاہے نابالغ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم کسی دوسرے کو امیر نہیں مانینگے۔ مرکز کی ذمہ داری ہم میوات والے سنبھالیں گے دوسرے علاقہ اور دوسرے ملک والوں کو نہیں سنبھالنے دینگے۔ مجمع کو کئی ذمہ داروں نے بتایا کہ ''مولوی سعد صاحب نے ان سے کہا کہ رمضان سے اب تک جتنی تکلیف

پہنچائی ہے، میں بتا نہیں سکتا صرف میرا مارنا باقی ہے۔" "تکلیف پہنچانے والے تمہاری قوم کے لوگ ہیں۔ تم اپنوں کو اپنی زبان میں اچھی طرح سمجھا سکتے ہو۔۔ مولوی سعد صاحب کا اشارہ ایک تو اپنے اس خادم کی طرف تھا جس نے کئی سال پہلے ان کی خدمت میں رہنے سے صاف انکار دیا تھا۔ لیکن پھر بھی مرکز میں رہ رہا تھا اور مولانا کے دسترخوان پر کھانا کھاتا اور روزانہ مشورہ میں شامل ہوتا تھا اور مولانا اس کے خلاف کچھ نہیں کر پارہے تھے۔ دوسرے صاحب پہلے حضرت جیؒ کی خدمت میں پھر مولانا زبیرالحسنؒ صاحب کی خدمت میں رہے اور اب مولانا زہیرالحسن صاحب کے ساتھ تھے۔ بھوپال کے اجتماع کے ختم پر مولانا زہیرالحسن صاحب کو مصافحہ کے لئے انہوں نے ہی اسٹیج پر بٹھایا تھا۔ یہ دونوں حضرات مولوی ہیں اور میوات کے رہنے والے ہیں۔

مذکورہ بالا پنچایتوں میں تجویزیں پاس ہوئیں کہ ان دونوں کو فوراً مرکز چھوڑ دینا چاہئے ورنہ قوم ان کو گھسیٹ کر مرکز سے لے آئے گی اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی۔

ان پنچایتوں کے اختتام پر میواتیوں کا ایک بڑا مجمع مندرجہ بالا تجویزوں پر عمل درآمد کرنے کے لئے مرکز پہنچ گیا۔ لیکن ان پنچایتوں میں کھلے عام ہوئی جوشیلی تقریروں اور جارحانہ تجویزوں نے ہریانہ پولس کو چوکنا کر دیا تھا اس لئے اس نے اس مجمع کے مرکز میں آنے کی اطلاع دہلی پولس کو دے دی۔ اس لئے دہلی پولس نے مرکز کے چاروں طرف اپنا فورس تعینات کر دیا۔ جس کو دیکھ کر آنے والوں کے کچھ ہوشمند ذمہ دار بغیر کسی واردات کے اپنے مجمع کو واپس لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس دن مرکز ایک بڑے سانحہ سے محفوظ رہا۔

پھر ۱۸ راگست ۲۰۱۵ء کو مرکز کی بالائی منزل میں یوپی والوں کے جوڑ کے اختتام پر لوگوں کو مولانا زہیرالحسن صاحب سے مصافحہ نہ کرنے دینے کے لئے صاحبزادہ سلمہٗ کے حمایتیوں نے خوب شور شرابہ اور دھکا مکی کی اس شرمناک واقعہ کا چرچہ پورے شہر میں ہوا اور ۲۰ راگست جمعرات کو مرکز ہی میں دہلی کے ذمہ داروں کے درمیان خوب گرما گرمی بھی ہوئی۔ ۲۳ راگست کو بستی نظام الدین میں رہنے والے کچھ ساتھی جو کام سے تعلق رکھتے ہیں ان افسوس ناک حالات پر اپنی تشویش کا اظہار کرنے اور اس کا حل نکالنے کی درخواست لے کر مرکز کے ذمہ داروں کے سامنے مشورہ کے وقت حاضر ہوئے۔ ایک صاحب نے جب اپنی بات شروع کی تو فوراً ڈانٹ پڑ گئی "بغیر اجازت آگئے اور بلاوجہ مداخلت کرتے ہیں، چپ رہیں۔" اس پر گرما گرم بحث ہونے لگی تو صاحبزادہ سلمہٗ نے فرمایا "میں امیر ہوں، خدا کی قسم میں پوری امت کا امیر ہوں۔" جواب میں کہا گیا آپ کو کس نے امیر بنایا ہے؟ اس پر خاموش رہے تو کہنے والے نے کہا "ہم آپ کو امیر نہیں مانتے" تو تڑخ کر بولے "تم سب جاؤ جہنم میں" اس پر وہ لوگ اُٹھ کر آگئے۔ جب حالات کے سدھرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو ان میں سے کچھ لوگ پڑوس میں ہونے والے اجتماع میں پہنچ کر وہاں کے ذمہ داروں سے بگڑتے حالات کو سنبھالنے کے خواہاں ہوئے۔

تو نومبر ۲۰۱۵ء میں اجتماع کے موقعہ پر جمع ہوئے مختلف ممالک کے ذمہ داروں نے تمام حالات پر غور وخوض کرنے کے بعد طے کیا کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی قایم کردہ شوریٰ کی تکمیل کی جائے (جس کے دس میں سے آٹھ اراکین کا

انتقال ہو چکا ہے) اور اسی طرح مرکز نظام الدین کی پانچ رکنی شوریٰ کو پورا کیا جائے جس کے صرف ایک رکن باقی ہیں۔ صاحبزادہ سلمہٗ نے دونوں تجویزوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مرکز نظام الدین کی شوریٰ کے بارے میں کہا کہ وہاں شوریٰ موجود ہے جب ان سے شوریٰ کی تفصیل معلوم کی گئی تو فرمانے لگے اب جا کر بنائیں گے اسی مجلس میں جب ان سے معلوم کیا گیا کہ انہوں نے پوری امت کا امیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو پہلے صاف انکار کیا۔ ان سے کہا گیا کہ اس کا آڈیو ریکارڈ موجود ہے تو کہنے لگے کہ جب لوگ میرے اوپر چڑھ چڑھ کر آئیں اور مشورہ میں شور مچائیں تو میں کچھ بولوں گا بھی نہیں۔ صاحبزادہ سلمہٗ کے اس کردار کا کہ پہلے ایک بات کا صاف انکار کرنا پھر اسی بات کا اعتراف کر لینے سے حاضرین مجلس نے بہت برا اثر لیا۔ اور ان کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے عالمی شوریٰ کے لئے گیارہ اور مرکز نظام الدین کی شوریٰ کے لئے پانچ نام طے کر کے اس کی دستخط شدہ تحریر بھی جاری کر دی۔

صاحبزادہ سلمہٗ حسرت اور افسوس کی حالت میں دہلی لوٹ آئے اور دوسرے ہی دن دہلی سے اپنے حمایتیوں کو بلا کر انہیں کچھ ہدایتیں دی گئیں مثلاً:

وہاں پر کوئی شوریٰ نہیں بنی ہے۔ وہاں پر میری بہت اہانت کی گئی ہے جس میں دہلی کے کچھ کارکن بھی شامل تھے۔ آپ لوگوں کو ان کا اور ان کے ہمنواؤں کا بائیکاٹ کرنا ہے۔ نیز اپنے غصہ کا اظہار کرنے کے لئے کچھ دنوں تک مجمع کو مرکز بھی نہیں لانا ہے۔ تبلیغ کی تاریخ میں یہ ہڑتال پہلی بار ہوئی لہٰذا ان کے کارندوں نے محلہ محلہ اور مسجد مسجد جا کر لوگوں کو مرکز آنے سے بھی روکا اور نامزد ساتھیوں کے خلاف خوب اشتعال انگیزی بھی کی۔ لہٰذا نومبر کے آخیر اور دسمبر کے شروع کی جمعراتوں میں شہر کے کام کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد مرکز نہیں آئی۔

عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ پہلے تو شوریٰ کی تشکیل ہونے کا بڑے زور شور سے انکار کیا گیا لیکن ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ دسمبر ۲۰۱۵ء کے پہلے ہفتہ میں اس شوریٰ کے پانچ اراکین میں مزید چار افراد کا اضافہ کر کے ایک خط ان ہی ذمہ داروں کی خدمت میں بھیج دیا جن کے فیصلوں کو ماننے سے انکار کر کے مرکز واپس آ گئے تھے۔ ان حضرات نے جواب میں اس اضافہ کو غیر ضروری اور نامناسب کہہ کر اس بات کو دہرایا کہ تشکیل شدہ شوریٰ کے تحت ہی باری باری فیصل بدلتے ہوئے کام کیا جائے۔ لیکن اس پر کوئی عمل نہیں ہوا، حالانکہ پانچوں اراکین مرکز میں مستقل قیام پذیر تھے۔

ادھر دہلی شہر میں کام کے حالات ایسے دگرگوں ہوئے کہ کوئی چیز بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں رہی۔ شہر کے کام کے ذمہ دار کو ہر طرح کی مذمت کا نشانہ بنا لیا گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے ذمہ دار ساتھی بھی جو یکسوئی کے ساتھ کام کو لے کر چل رہے تھے اس کشمکش کا شکار ہو گئے۔ صاحبزادہ سلمہٗ کے معتقد کچھ نئے لوگ قائد بن گئے جنہوں نے برسوں سے جس مسجد میں شہر کا ماہانہ مشورہ ہوا کرتا تھا اس کو منسوخ کر دیا۔ دعوت و تبلیغ تو صرف جڑنے کا عنوان بن کر رہ گیا۔ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے سارے قضیہ کا سبب مولانا زبیر الحسن صاحب مرحوم کے بیٹے مولانا زبیر الحسن صاحب کا امارت کا دعویٰ اور ان کے حمایتیوں کی غلط حرکتوں

کو بتایا گیا حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور سنگین بہتان ہے۔ کیونکہ امارت کا دعویٰ تو مولانا زبیر الحسن صاحبؒ نے بھی کبھی نہیں کیا حالانکہ وہ اس کے مستحق تھے، وہ تو انیس سال تک اپنے چھوٹے کا چھوٹا بن کر گذار گئے۔ آج حال یہ ہے کہ اس کام میں لگنے والوں کی اکثریت خدا سے بیخوف ہو کر جھوٹ اور غیبت میں مبتلا رہنے لگی۔ ان نا عاقبت اندیشوں کے ذریعہ جو اپنے حلقوں میں امیر صاحب کہلاتے ہیں، پر جوش اور علم سے عاری نوجوانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوگئی جو کسی کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتے بس اپنے امیر کے لئے مرمٹنا اپنی معراج سمجھتے ہیں۔ علاقہ جمنا پار دہلی اور میوات سے ایسے ہی لوگوں کی دو دو مہینے کی تشکیل کی جانے لگی جو مرکز میں رہ کر صرف حفاظتی دستہ کا کام کریں۔ ان لوگوں کی ڈیوٹی مرکز میں مختلف مقامات پر لگائی جاتی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ان کی تعداد ہمیشہ سو کے لگ بھگ رہتی ہے۔ ان ہی کے ذریعہ کئی بار مرکز میں مار پیٹ اور دھکا مکی کی نوبت آئی اور گذشتہ رمضان شریف میں تو جارحیت یعنی غنڈہ گردی کی ساری حدیں پار کر دی گئیں جب افطار کے بعد مرکز کے گیٹ بند کر دیئے گئے اور مخالفوں کو چن چن کر پیٹا گیا۔ پندرہ بیس افراد مولانا زبیر الحسن کے کمرہ کے برابر والے ہال میں ہاتھوں میں ڈنڈے اور اسٹکیں لئے مسلط ہو گئے اور ان کے دروازہ پر ڈنڈے پیٹے گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ نئی عمارت کی پہلی منزل پر پہنچ گئے جہاں مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا ابراہیم دیولہ کے کمرے ہیں اور وہاں دو کمروں کے تالے توڑ کر ان کا سامان غائب کر دیا۔ ان میں سے ایک کمرہ مولانا احمد لاٹ صاحب کے مہمانوں کے استعمال میں رہتا تھا۔ اس دہشتناک ماحول میں مولانا زبیر الحسن صاحب اپنی قیام گاہ سے نکل کر تراویح میں قرآن شریف سنانے کے لئے مسجد قریش تک بھی نہیں جا سکے۔ ان کے گھر والوں نے ساری رات خوف و دہشت میں گزاری، سحری کا انتظام بھی نہ ہو سکا۔ اس کھلی بربریت کا حال جب مولانا احمد لاٹ صاحب کو معلوم ہوا تو دوسرے ہی دن وہ مرکز کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے۔ صاحبزادہ سلمہٗ نے ان بلوائیوں کے خلاف کچھ کاروائی کرنے کے بجائے بستی میں رہنے والے کچھ مخالفوں کے خلاف پولس میں شکایتیں درج کرا دیں۔

دراصل یہ آپریشن اُن دو میواتی مولویوں (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے اخراج کے لیے کیا گیا جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مرکز میں رہ کر حضرات کی خدمتگاری میں گذارا تھا۔ وہ لوگ کسی طرح اپنی جان بچا کر مرکز سے نکل گئے لیکن نہ جانے کس خدا کے دشمن کے مشورہ پر یہ قدم اٹھایا گیا تھا جس نے مرکز کے لیے پوری دنیا میں رہنے والوں کے دلوں میں جو احترام تھا اس کو پل بھر میں مٹا دیا۔

۱) ان خطرناک حالات کو دیکھ کر اس عالی کام میں عمر بھر سے لگے پہلی صف کے کارکنوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ یہ حضرات پہلے سے صاحبزادہ سلمہٗ کی کارگذاریوں سے نالاں تھے اور موصوف کو سمجھانے کی کوشش رازدارانہ طور پر کرتے رہے تھے، ان حضرات نے آپس میں جمع ہو کر کئی خط بھی موصوف کو لکھے تھے اور کئی بار اکٹھے ہو کر اپنے خیالات اور خدشات سے موصوف کو آگاہ بھی کیا تھا لیکن موصوف نے ان کی باتوں کو ہتک آمیز انداز میں مسترد کر دیا۔ ان کے ایک خط مورخہ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۵ء کی نقل آئندہ صفحہ ۱۱ تا ۱۳ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

۲) رمضان میں ہونے مار پیٹ کے واقعہ نے ان حضرات کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس لئے جولائی ۲۰۱۶ء میں مرکز میں ملک کے سہ ماہی جوڑ میں شامل ہونے سے معذرت کرتے ہوئے ان حضرات نے جو خط بھیجا تھا اس کو صفحہ ۱۴ تا ۱۵ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

۳) اپنے ساتھیوں کے مرکز سے علیحدہ ہونے کے باوجود مولانا ابراہیم صاحب دیولہ حالات کی درستگی کی امید میں برابر مرکز سے وابستہ رہے لیکن آخرکار ان کو بھی مرکز کو چھوڑنا پڑا ان کا خط مورخہ ۱۵ را گست ۲۰۱۶ء صفحہ ۱۶ تا ۱۷ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

۴) دعوت وتبلیغ کے اس عالمی کام میں پڑوسی ملک کا بھی برابر کا حصہ ہے بلکہ عالمی سطح پر وہ سب سے آگے ہیں۔ صاحبزادہ سلمہٗ کے رویہ اور مرکز کے حالات سے دل برداشتہ ہوکر اس سال حج کے موقعہ پر انہوں نے طے کیا کہ حجاز مقدس میں ان کا قافلہ مرکز کے قافلہ سے علیحدہ قیام کر کے حاجیوں میں کام کرے گا۔ ان کا خط مورخہ ۲۳ رجولائی ۲۰۱۶ء صفحہ ۱۸ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

۵) پچاس ساٹھ سال سے دعوت وتبلیغ میں ہمہ تن مصروف اور مدرسہ کاشف العلوم کے سب سے معمر استاد مولانا محمد یعقوب صاحب نے جن کے شاگردوں میں صاحبزادہ سلمہٗ اور ان کے والد مولانا محمد ہارون صاحب مرحوم بھی شامل ہیں، موجودہ حالات پر اپنے تاثرات کو اپنے خط مورخہ ۲۸ را گست ۲۰۱۶ء میں بیان کیا ہے جس کو صفحہ ۱۹ تا ۲۰ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

نمونہ کے طور پر یہ چند خطوط پیش کئے جا رہے ہیں ورنہ خطوط کا انبار ہے جس میں علماء کرام اور اہل حق نے اس عالی کام پر جو آنچ آئی ہے اس پر اپنے دلی رنج کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے اس کام سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہوش سے کام لے اور اس کام کی حفاظت کے لئے حتی الوسع کوشش بھی کرے اور دعاؤں کا خصوصی اہتمام کرے۔ فقط

عاصی امانت اللہ
رکن مجلس عاملہ
مدرسہ کاشف العلوم، بنگلہ والی مسجد
بستی حضرت نظام الدین اولیاؒ، نئی دہلی
موبائل: 91-8826297141
فون: 011-22029832

مورخہ یکم اکتوبر ۲۰۱۶ء